باب-35

ایمان اور یقین

☆ قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَـٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ -

ترجمہ: عرب کے دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے۔ (پیغمبر) تم کہو کہ تم ایمان نہیں لائے ہاں! تم یہ کہہ سکتے ہو، ہم اسلام لائے، اور ابھی تمھارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے۔ (سورۃ الحجرات: آیت 14 کا حصہ)

☆ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ -

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) ان لوگوں کو خوش خبری دے دو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ان کے لیے جنتیں ہیں جن میں (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں۔ (سورۃ البقرہ: آیت 25 کا حصہ)

صاحبو! ایمان کے معنی ہیں یقین کرنا۔ اور اسلام کے معنی ہیں اطاعت کرنا اور اپنے آپ کو سپرد کر دینا حوالہ کر دینا۔ اگر دل میں یقین ہے، جیسے کہ کافروں کو تھا، اور اطاعت و فرماں برداری نہ ہو تو یہ ایمان کیا کام آسکتا ہے؟ ایسے یقین سے فائدہ! ایسے میں اللہ کے پاس نہ ایمان مقبول ہے نہ اسلام۔ اگر دل میں یقین بھی ہے مگر جان کے ڈر سے ظاہر نہیں ہو رہا ہے تو یہاں ایمان تو ہے مگر اسلام نہیں۔ یہ تقیہ کی ایک صورت ہے۔ دل کا حال خدا کو معلوم ہے۔ دیکھو! پیغمبر تقیہ نہیں کرتے، نہ پیشوایانِ دین تقیہ کرتے ہیں۔ تقیہ کرنا یعنی ڈرنا، نامردوں کا کام ہے۔ جہاں دل میں ایمان ہے اور ظاہر میں اطاعت ہے تو ایسوں کا ایمان بھی مقبول، اسلام بھی مقبول۔ یہ سچے مسلمان ہیں۔ اصلی مومن ہیں۔ اور جہاں بہ ظاہر اسلام ہے، فرمانبرداری ہے مگر دل میں ایمان کا پتہ نہیں، یہ منافق ہیں۔ ان لوگوں کا ایمان اور اسلام دونوں اللہ کے پاس نامقبول ہیں۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ ظاہر میں اسلامی احکام ہی اس پر جاری ہوں گے۔ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ اس کے دل میں ایمان نہیں۔ کیونکہ دلوں کا حال جاننے والا خدا ہے۔

Siddiqui Publications

یقین کے تین درجات ہیں۔ (1) علم الیقین (2) عین الیقین (3) حق الیقین۔ ایک شخص نے آگ کو دیکھا اور سمجھ گیا کہ یہ جلانے والی چیز ہے، یہ علم الیقین ہے۔ پھر اس نے کسی شئے کو جلتے دیکھا، یہ اس کا عین الیقین ہے۔ پھر اس نے آگ کو ہاتھ لگایا، اس کا ہاتھ جلنے لگا، یہ حق الیقین ہے۔ اگر آگ میں ہاتھ ڈال کر خود اس کا ہاتھ آگ کی طرح مشتعل ہو گیا ہو، تو یہ حق الحق ہے۔

بعض علماء میں اختلاف ہے کہ آیا ایمان زیادہ اور کم بھی ہوتا ہے۔۔۔؟ گھٹتا بڑھتا بھی ہے۔۔۔؟ دیکھو! جن لوگوں کی نظر، نفسِ عقیدت پر ہے ان کے پاس ایمان نا قابلِ زیادت ہے۔ کیوں کہ اسلام اور کفر میں کوئی واسطہ نہیں، کوئی درمیانی حالت نہیں۔ معتزلیوں کے پاس گنہ گار نہ مومن ہے، نہ کافر۔ بلکہ فاسق ہے۔ جب کہ اہلِ سنت کے پاس گنہ گار مومن ہے، وہ مسلمان ہے، با ایمان ہے۔ گناہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ البتہ خوارج کے مذہب میں گناہ کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اور جن لوگوں کی نظر آثار پر ہے اور اعمال کی کمی یا زیادتی ان کے پیشِ نظر ہے، ان کے پاس ایمان قابلِ زیادت و نقصان ہے۔ بعض دفعہ ان اعمال کو جو ایمان کی علامت ہیں، ایمان کہہ دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے کمی و زیادتی قابلِ اعتراض ہے۔ بہر حال اہلِ سنت کے پاس گناہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے کہ وہ گناہ کرنے والے کو چاہے تو عذاب کرے، یا چاہے بخش دے۔

مسلمان کا ایمان بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا یعنی apprehensions اور expectations کے درمیان رہتا ہے۔ جہاں اِتَّقُوا النَّارْ یعنی (جہنم کی) آگ سے ڈرو ہے، اس کے ساتھ ہی وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی خوش خبری ہے ایمانداروں کے لیے، بھی ہے۔ یہ بشارت اور نذارت، صادق مصدوق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ آپؐ کا ہر کلمہ سچائی، ہر ایک بات واقعہ کے مطابق ہے۔ دوسرے مصلحین کی طرح اخلاقی تعلیم کے لیے خواہ مخواہ ایک کہانی نہیں بنائی گئی۔ جس نے دنیاوی کام میں جھوٹ نہیں کہا وہ آخرت کی باتوں میں جھوٹ کیوں کر کہہ سکتا ہے؟ منکر سے منکر بھی آپؐ کو "محمدِ امین" کہتا تھا۔ بڑا افسوس ہو گا اگر مسلمان آپؐ کو نبیؐ امین نہ سمجھے۔ ان کی ہدایتوں پر اعتماد نہ کرے۔ یہ خوش خبری کس کو دی جا رہی ہے؟ ان کو جو ایمان رکھتے ہیں، اور عملِ صالح بھی کرتے ہیں۔ ایمان کی قوت پر عملِ صالح مرتب ہوتا ہے۔ جن کے دلوں میں قوی ایمان ہے وہ ضرور عملِ صالح کریں گے۔ جن کو یقین ہی نہیں وہ کیا عملِ صالح کر سکتے ہیں۔۔۔!

{ حوالہ تفسیر صدیقی۔ پارہ 1 صفحہ 47 تا 49 پارہ 3 صفحہ 21، 22 پارہ 11 صفحہ 34، اور پارہ 26 صفحہ 51، 52، 92، 93 }

Siddiqui Publications